روزنامہ الفضل ربوہ
فون: ۴۴۹
ایڈیٹر: نسیم سیفی
رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴
جلد ۷۳/۳۸ | جمعرات ۱۸ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ ۲۹ فتح ۱۳۶۷ہش ۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء | نمبر ۲۷

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اخبارِ احمدیہ

ربوہ: (۲۸ فتح/دسمبر) سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت کے بارے میں لندن سے آمدہ تازہ ترین اطلاع کے مطابق حضور کی صحت خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے۔ حضورِ پُرنور تمام احبابِ جماعت کے نام محبت بھرا سلام بھیجتے ہیں۔

احبابِ کرام خصوصی توجہ اور التزام کے ساتھ دعائیں جاری رکھیں کہ مولا کریم ہمارے پیارے آقا ایدہ اللہ کو صحت و سلامتی سے رکھے۔ اپنے بے انتہا فضلوں اور برکتوں سے نوازے۔ حضور کے تمام مقاصد عالیہ اور سکیموں کو تائید اور حمایت سے نوازتا رہے۔ اور حضور کو کامیاب و کامران مرکز سلسلہ میں واپس لائے۔

(آمین)

ایک عجیب واقعہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں ۶۔ احمدی احباب پر ایک شادی کارڈ پر بسم اللہ...... السلام علیکم..... انشاء اللہ اور نحمدہ و نصلی..... لکھنے پر مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ پولیس نے عین شادی کے دن شادی سے چند گھنٹے قبل "ملزمان" کو حراست میں لے لیا۔ بعدازاں ملزمان نے ضمانت قبل از گرفتاری کروالی واقعات کے مطابق محمد عیسیٰ منوّر صاحب اور انکی بیگم صاحبہ نے اپنے بیٹے مکرم ادریس مبارک صاحب کی شادی کے دعوت نامے چھپوا کر اپنے عزیزوں اور ملنے والوں میں تقسیم کیے اور ایک دعوت نامہ اپنے ایک ہمسائے کو بھی دیا۔ اس نے یہ کارڈ مجلس تحفظ ختم نبوّت کے مولوی عبدالروٴف صاحب کو دے دیا۔ ان مولوی صاحب نے ۳۰ نومبر ۱۹۸۸ء کو اے سی صاحب جناب شعیب صدیقی کی عدالت میں درخواست داخل کی کہ اس کارڈ پر بسم اللہ، نحمدہ و نصلی اور السلام علیکم وغیرہ چھپوایا گیا ہے ۳۰ نومبر ۱۹۸۸ء کو شام ۴ بجے بارات جانی تھی اور ۱۱ بجے قبل دوپہر محمد عیسیٰ منور صاحب اور ان کے دو بیٹوں کو پولیس نے تھانہ میں ملا کر بٹھا لیا۔ ڈھائی بجے مکرم امیر صاحب اسلام آباد کو اطلاع ملی۔ انہوں نے اسی وقت عدالت جا کر تینوں کو تھانے سے رہا کرایا۔ عدالت سے ۵ دسمبر کی تاریخ پڑی۔ پانچ کو سماعت ہوئی تو تاریخ ڈال دی گئی۔ اس اثناء میں ایک

باقی صہ پر

مباہلے کی برکات کے پھل آئندہ ساری صدی میں عطا ہوتے رہیں گے

اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کی قناعت اختیار کرو اس میں تمہارے لیے جنت ہے

جو شخص قناعت کو چھوڑ دیگا، وہ اپنے ہاتھوں شرک کو دعوت دے گا

بیت الفضل لندن میں سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ دسمبر ۱۹۸۸ء کا خلاصہ

تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورِ انور نے فرمایا۔

میں نے گزشتہ جمعہ میں قناعت کا مضمون بیان کیا تھا۔ اسی سلسلہ میں آج دو باتیں اور احباب کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے قناعت کا توحید سے بہت گہرا تعلق ہے۔ جسکو خدا پر کامل ایمان نہیں اور جو رضائے باری تعالیٰ کی خاطر اپنی زندگی گزارتا نہیں جانتا اسکو قناعت نصیب ہو نہیں سکتی۔ جو قناعت کے مضمون کو نہیں سمجھتے وہ سمجھتے ہیں کہ دین کا پیغام یہ ہے کہ تم ہر قسم کی ترقی کی کوشش چھوڑ دو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کو تقدیر الٰہی سمجھ کر اسی پر راضی ہو جاؤ۔ ہرگز قناعت کا مضمون یہ نہیں۔ جو قناعت ہمیں ہمارا دین سکھاتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ کی محبت سے تعلق ہے اور دوستی کا مضمون اس میں داخل ہے۔ ہمارے دین میں قناعت کا تصوّر یہ ہے کہ ایک دوست جب اپنی خوشی سے اپنے محبت کرنے والے کو کچھ عطا کرتا ہے۔ اور پھر ہاتھ روک لیتا ہے تو وہ شخص جو اس سے سچی محبت کرتا ہے اس پر بھی دینے والے ہاتھ سے محبت ہی کرتا رہتا ہے۔ کبھی نفرت نہیں کرتا۔

حضور نے فرمایا اس مضمون کو اگر انسان سمجھ لے تو خدا نے جتنا بھی دیا ہے اس پر کسی بھی حالت میں ناراض نہیں ہو سکتا۔ اور پھر اس پر راضی رہنے کا مضمون یہی ہے۔ کہ خدا نے دیئے ہوئے کو وسیع کرنے کے لیے راستے خود تجویز کر دیئے ہیں۔ انہی رضا کے راستوں پر چل کر اپنے رزق کو بڑھانے کی کوشش کرے۔ خدا کی رضا سے خدا کی رضا کی راہوں پر قدم مارنے کو قناعت کے خلاف نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ قناعت کا حقیقی مضمون اس میں داخل ہے اور مومن کی جدوجہد کا رستہ کبھی بھی رک نہیں سکتا۔ ہر طرف خدا کی رضا کو بڑھانے کی خاطر خدا کی رضا کی راہیں اس کیلئے بازو کھولے کھڑی ہیں۔ ہاں جس وقت اس نے رضا کی راہوں سے باہر قدم رکھ کر اپنے رزق کو بڑھانے کی کوشش کی وہیں وہ قناعت کی چار دیواری سے باہر نکل جاتا ہے۔ پھر اس کی کوئی حفاظت نہیں ہوتی۔

حضور نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ غنی وہ نہیں جس کے پاس بے شمار دولت ہو بلکہ غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہو تو اس میں دو مضمون خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے چل کر آپ اپنی وسعتیں بڑھانے کی کوشش کریں تو ناممکن ہے کہ آپ اپنے نفس کو کسی مقام پر بھی مطمئن کر سکیں۔ اس لئے ہوائے نفس کی پیروی کا تعلق جہنم سے ہے۔ مگر وہ خواہش جو خدا کی رضا اور اس کے پیار کی خاطر کم ہوتی ہے اس کے نتیجے میں قانع کے لئے جنت ہی جنت ہے۔ دوسرا پہلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ سمجھایا کہ غنی صرف قانع کو نہیں کہتے بلکہ اس کا اصل معنیٰ یہ ہے کہ بہت بڑا مال دار۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم خدا کے حضور فقراء ہو خدا غنی ہے۔ خدا کے لئے جب غنی کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو ہرگز قانع کے معنوں میں نہیں بلکہ اپنے وسیع تر معنیٰ میں کہ جس کے پاس سب کچھ ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خوشخبری بھی عطا فرمائی ہے کہ اگر تم حقیقتاً غنی بننا چاہتے ہو تو پہلے قانع کی حیثیت سے غنی بنو پھر خدا تعالیٰ تمہیں دوسری غناء بھی عطا فرمائے گا۔

حضور نے فرمایا دنیا کی قوموں کی دولت اور اُس دولت میں جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ دے رہے ہیں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ ہوائے نفس کی خاطر دولت

باقی صہ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روزنامہ الفضل ربوہ

پبلشر مسعود احمد نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ سے چھپوا کر دارالنصر غربی ربوہ سے شائع کیا۔
قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

۲۹ر فتح ۱۳۶۷ہش — ۲۹ر دسمبر ۱۹۸۸ء

احمدیت کی دوسری صدی

اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کی دوسری صدی شروع ہونے والی ہے۔ اس موقعہ پر جشنِ تشکر کا ساری دنیا میں اہتمام کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے جشن ہمیشہ تشکر ہی کی روح لئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا تذکرہ۔ ان کا شکریہ اور آئندہ کے لئے دعائیں کہ وہ ہر گام پہ مددگار ہو اور مقبول خدمتِ دین اور خدمتِ انسانیت کی توفیق سے نوازے۔ ایسا ہی ہمارا صد سالہ جشنِ تشکر ہوگا۔

حضرت امام جماعت احمدیہ تمام افرادِ جماعت کو بار بار اس بات کی یاد دہانی کروا رہے ہیں کہ دوسری صدی میں داخل ہونا بہت سی ذمہ داریوں کے احساس کا تقاضا کرتا ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو دوسری صدی کے قابل بنانا ہے اور دوسری صدی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہے اور ہر گام پر اور ہر لمحہ اس کی مدد کے ہم محتاج ہیں۔ لیکن اس کے فضلوں کے وارث بننے کے لئے پہلے ہمیں اپنا پارٹ ادا کرنا ہے۔

حضور پُرنور نے نماز کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے بڑوں کو بھی اور چھوٹوں کو بھی۔ اگلی نسلوں کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے اور سب سے زیادہ حفاظت کا پہلو نمازوں سے تعلق رکھتا ہے۔

پس آیئے ہم دوسری صدی میں داخل ہونے اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے آمین۔

تیرے آگے ہے بس یہی فریاد
سب کے سب کو بنا دے نیک نہاد
آج بھی، کل بھی، اور قیامت تک
نیک فطرت ہو احمدی اولاد

(ابو الاقبال)

انتساب

حضرت میر محمد اسماعیل صاحب جماعت کے جلیل القدر بزرگ۔ حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا کے حقیقی بھائی۔ صوفیانہ طبیعت کے مالک زہد و غنا کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ نے جماعت کی تربیت کے لئے نثر و نظم کا ایک شاندار سرمایہ چھوڑا ہے۔ مندرجہ بالا عنوان سے آپ کے مجموعۂ کلام "بخارِ دل" میں چند دعائیہ اشعار درج ہیں۔ جو افادہ احباب کے لئے ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

اے کہ تُو ہے مُنعمِ آلائے من — مَیں ترا بندہ ہوں اے آقائے من
لُطف کُن بر من طفیلِ آنکہ بُود — سیّدِ من۔ شیخِ من۔ مرزائے من
ہوں سقیم الحال اور معذُور۔ گو — اے طبیبِ جُملہ علّتہائے من
عرض سُن لے مہربانی سے مری — اے سمیعِ نالۂ شب ہائے من
شعر خوش کرنے کو کہتا ہوں ترے — مہرباں ہو۔ تا۔ کرم فرمائے من
فائدہ بندوں کو بھی پہنچے ضرور — ہے مرے مدِّ نظر مولائے من
ہوں یہ میرے باقیاتُ الصّالحات — اے پناہ و مامن و ملجائے من
لوگ کرتے ہیں عبادت رات دن — میری یہ خدمت ہے اے ماوائے من

نذر ہیں کچھ قطرہ ہائے خُونِ دل
"اے بیادت ہی ہی وہی ہائے من"

قارئین الفضل سے ضروری گزارش

ادارہ الفضل کی خواہش ہے کہ جماعت کے جملہ احباب کو زندگی کے تمام شعبوں سے ایک حد تک حصولِ واقفیت میں مدد دینے کے لئے ہر شعبہ کے متعلق مختصر اور عام فہم مضامین شائع کئے جائیں۔

اس سلسلہ میں دوستوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اپنے شعبہ کے متعلق اختصار کے ساتھ ضروری تفاصیل تحریر فرما کر ادارہ الفضل کو ارسال فرمائیں۔ آپکی نگارشات نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائیں گی اور ہر ایک کے علم میں اضافہ ہوگا۔

اس کے علاوہ بھی گزارش ہے کہ جب کبھی آپ کے سامنے کوئی ایسی بات آئے جس کا علم دوسروں کے لئے بھی مفید ثابت ہو سکتا ہو وہ بات بھی آپ اختصار کے ساتھ تحریر فرما کر ہمیں ارسال فرمائیں۔

حصولِ علم ہر شخص کا بنیادی حق بھی ہے اور اس کا فریضہ بھی۔ یہ طریق جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ احباب کرام کو اپنے علم میں وسعت پیدا کرنے کا آسان ذریعہ بن سکتا ہے۔ آپ جس شعبہ سے بھی منسلک ہیں۔ اور دنیا میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعبے ہیں۔ آپ اس کے متعلق ضروری اور دلچسپ تفاصیل تحریر فرما کر قارئین الفضل کی ایک جائز ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔

امید ہے احباب اس طرف توجہ فرمائیں گے

(ادارہ الفضل)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اَلبیرُونی

جس کی ساری زندگی کتابیں لکھنے میں گزری

۱۹۷۳ء میں دنیا کے مختلف ملکوں میں ایک بڑے آدمی کا یوم پیدائش منایا گیا۔ یہ اس شخص کا ہزارواں یوم پیدائش تھا۔ اس موقع پر ۲۶ر نومبر سے ۲ار دسمبر تک جلسے کئے گئے۔ ان جلسوں میں دنیا کے بڑے بڑے عالموں نے حصہ لیا۔ پاکستان میں بھی دوسرے ملکوں کی طرح اس بڑے آدمی کی ہزارویں سالگرہ بہت شاندار طور پر منائی گئی۔ یہ البیرونی کی ہزارویں سالگرہ تھی

البیرونی کا نام دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ان کی کتابیں آج بھی دنیا کے کتب خانوں میں ملتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں۔ علم کی دنیا میں ان کی جو عزت ہے۔ وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

البیرونی کا نام محمد تھا۔ ان کے باپ کا نام احمد تھا۔ ابوریحان ان کا لقب تھا۔ البیرونی ان کو اس واسطے کہتے تھے کہ وہ شہر خوارزم کے ایک باہر کے محلے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح ان کا پورا نام ابوریحان محمد بن احمد البیرونی الخوارزمی تھا۔ مگر علم کی دنیا میں "ابوریحان البیرونی" اور صرف "البیرونی" کے نام سے مشہور ہیں

یہ ۴ر ستمبر ۹۷۳ء کو پیدا ہوئے اس وقت خوارزم ایک چھوٹی سی آزاد ریاست تھی۔ آج کل یہ علاقہ روسی ترکستان میں شامل ہے اور اسے خیوہ کہتے ہیں۔

البیرونی کے ماں باپ ایرانی تھے۔ ان کی مادری زبان فارسی تھی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم خوارزم ہی میں پائی۔ انہیں بچپن ہی سے علم کی لگن تھی۔ اسی زمانے میں انہوں نے فارسی اور عربی سیکھنے کے بعد یونانی زبان بھی سیکھنی شروع کی۔ انہوں نے ایک جگہ اپنے تعلیم کے شوق کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار ایک یونانی طبیب خوارزم آیا اور کچھ دن وہاں ٹھہرا۔ یہ ہر روز اس کے پاس جاتے۔ مختلف جڑی بوٹیاں ساتھ لے جاتے۔ ان کے یونانی نام معلوم کرتے اور ایک کاغذ پر لکھ لیتے۔

یہ ایک واقعہ ہی یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ انہیں علم حاصل کرنے کا کتنا شوق تھا انہوں نے جوان ہونے سے پہلے ہی ضروری علم حاصل کر لیا تھا۔ بعض علمی مسئلوں پر اس زمانے کے عالموں سے خط و کتابت بھی کی۔ ان میں بوعلی سینا کا نام خاص کر ذکر کے قابل ہے۔ بوعلی سینا اور البیرونی ایک ہی زمانے میں ہوئے ہیں۔ بوعلی سینا، البیرونی سے تقریباً دس سال چھوٹے تھے۔

البیرونی کے ماں باپ غریب تھے۔ ان کے پاس دولت نہیں تھی کہ اس کے سہارے ان کا بیٹا اپنی زندگی آرام سے گزار سکتا چنانچہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد البیرونی کو کسی مالی سہارے کی ضرورت تھی۔ ان کے علم اور قابلیت کی کچھ شہرت پھیل گئی تھی۔ اسے سن کر خوارزم کے نزدیک کی ایک ریاست جرجان کے بادشاہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اس ریاست کے حکمران کا نام شمس المعالی قابوس بن وشمگیر تھا۔

جرجان کا بادشاہ بہت پڑھا لکھا انسان تھا اور ادیب بھی تھا۔ اس نے البیرونی کے لئے ہر سہولت اور ہر قسم کے آرام کا انتظام کیا۔ انہیں اپنے محل میں ٹھہرایا۔ چنانچہ وہ دنیا کے جھگڑوں دھندوں سے الگ تھلگ رہ کر لکھنے پڑھنے کے کام میں لگ گئے، اور اپنی ایک مشہور کتاب "آثار الباقیہ" یہیں بیٹھ کر لکھی۔

"آثار الباقیہ" تاریخ کی کتاب ہے۔ اس کی حیثیت دنیا کی تاریخ کی ہے اس میں پرانی قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں البیرونی کی کتابوں میں اسے بہت قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور پرانی قوموں کے حالات جاننے کے لئے اس کتاب سے مدد لی جاتی ہے۔

اگرچہ البیرونی کو جرجان میں لکھنے پڑھنے کے لئے سکون حاصل تھا، لیکن اسے جرجان چھوڑنا پڑا۔ اس کی وجہ بادشاہ کی طبیعت کی سختی تھی۔

البیرونی جرجان چھوڑنے کے بعد خوارزم کے بادشاہ کے دربار میں شامل ہو گئے۔ خوارزم کے بادشاہ "مامون" نے ان کی بہت عزت کی اور وہ پھر لکھنے پڑھنے کے کام میں لگ گئے۔ یہاں انہوں نے خوارزم کی تاریخ لکھی مگر انہیں خوارزم بھی چھوڑنا پڑا۔ اب وہ سلطان محمود غزنوی کے دربار میں آ گئے۔

سلطان محمود غزنوی اور خوارزم کا بادشاہ مامون ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ان میں کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ پھر دونوں میں جنگ ہوئی۔ محمود غزنوی نے خوارزم فتح کر لیا۔ چنانچہ البیرونی بھی جنگی قیدی بن کر غزنی پہنچے۔ مگر جب محمود کو اس کا علم ہوا تو اس نے انہیں اپنے دربار میں بلا لیا۔ اس طرح البیرونی سلطان محمود غزنوی کے دربار میں پہنچ گئے۔

غزنی میں البیرونی کی بہت قدر ہوئی بادشاہ نے انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا البیرونی اور سلطان محمود غزنوی کا وہی تعلق تھا جو ارسطو اور سکندرِ اعظم کا تھا۔ یعنی وہ سلطان محمود کے صلاح کار تھے۔ ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملوں میں وہ اس کے ساتھ رہے۔

وہ محمود کے دربار میں ایک نجومی کے طور پر پہنچے تھے۔ چنانچہ ایک دو دفعہ محمود نے ان کا امتحان بھی لیا۔ اور وہ اس میں پورے اُترے۔

بیان کرتے ہیں محمود کا دربار لگا ہوا تھا کہ اس نے البیرونی سے پوچھا "بتایئے میں دربار سے اٹھوں گا تو دیوان کے کون سے دروازے سے باہر جاؤں گا؟"

دیوان کے چار دروازے تھے۔ البیرونی نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد جواب لکھ کر بادشاہ کے تخت کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ ایک دیوار توڑ کر پانچواں دروازہ بنایا جائے جب یہ دروازہ بن گیا تو وہ اس دروازے سے نکل کر باہر چلا گیا۔ اور جب البیرونی کا جواب پڑھا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ سلطان ایک نیا دروازہ بنوائیں گے اور اس سے باہر جائیں گے۔

ایک بار دربار میں بیٹھے بیٹھے محمود نے حکم دیا کہ البیرونی کو شہر کی فصیل سے نیچے خندق میں گرا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مگر البیرونی موت سے بچ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا "کیا آپ کو علم تھا کہ آپ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آئے گا؟" البیرونی نے بعض کاغذات منگوائے اور سلطان کو دکھائے۔ ان میں ایک جگہ لکھا تھا ایک دن سلطان مجھے شہر کی فصیل سے خندق میں گرائیں گے۔ مگر ایسا انتظام کریں گے کہ میں فصیل سے گر کر نہ مروں"۔ دراصل سلطان نے فصیل کے نیچے ایسا ہی انتظام کیا تھا۔ چنانچہ البیرونی کو کوئی چوٹ نہ لگی۔ اس طرح فصیل سے گر کر بھی ان کی جان بچ گئی۔

محمود غزنوی کے ہاں البیرونی کی کتنی عزت تھی، اس کا پتہ اس واقعہ سے چلتا ہے کہ ایک دن ترکستان کے علاقے کا ایک سیاح محمود غزنوی کے دربار میں آیا۔ اس نے قطبِ جنوبی تک سفر کیا تھا۔ بات چیت میں اس نے کہا "قطبِ جنوبی میں سمندر پار سورج کی ایک گردش ایسی بھی ہوتی ہے کہ وہاں رات بالکل نہیں ہوتی"۔ سلطان نے یہ بات سنی تو اسے اسلامی عقائد کے خلاف خیال کیا، کیونکہ دن رات ہر جگہ ہوتے ہیں۔ کسی ایک علاقے میں رات کا نہ ہونا، محمود کو بُرا لگا۔ چنانچہ سیاح پر کفر کا الزام لگایا اور اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

محمود کے دربار کے ایک عالم نے یہ حکم سُنا تو سلطان کے پاس جا کر کہا "حضور یہ سیاح کی رائے نہیں، بلکہ اس کا مشاہدہ ہے" اس کے بعد اس عالم نے سورۂ کہف کی آیت ۹۴ پڑھی، جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتا پایا کہ ہم نے اس کے سامنے اس کے لئے پردہ نہیں بنایا"۔ سلطان نے البیرونی کی رائے لی۔ البیرونی نے عالم کی رائے کو درست قرار دیا اور سیاح کی جان بچ گئی۔

ترکستان کے اس سیاح کا نام کوئی نہیں جانتا، حالانکہ اس نے محمود غزنوی کے عہد میں یا اس سے پہلے قطبِ جنوبی کی سیر کی ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قطبِ جنوبی کے بارے میں اپنا مشاہدہ کیسے بیان کر سکتا تھا؟

البیرونی کے دل میں محمود غزنوی کی بے حد عزت تھی۔ اس نے محمود کے عہد کی تاریخ لکھی اور جہاں بھی محمود کا ذکر آیا، اس کے ساتھ عزت کے کلمات اور القاب لکھے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

البیرونی ہر وقت علم کی تلاش میں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنی عمر کے دس گیارہ سال ہندوستان میں گزارے۔ وہ ہندوستان میں صرف علم حاصل کرنے آئے اور اجمیر میں رہنے لگے۔ انہوں نے یہاں ہندوؤں کے کئی علم حاصل کئے۔ اس سلسلے میں اگرچہ انہیں کئی مشکلوں اور پریشانیوں سے گزرنا پڑا، پھر بھی وہ ان سے نہ گھبرائے بلکہ علم کی تلاش جاری رکھی۔

ہندوستان پر سلطان محمود کے حملوں کی وجہ سے بہت سے ہندو پنڈت جنگی قیدی بن کر غزنی میں پہنچ گئے تھے۔ البیرونی کی ان سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اور اس طرح اس کے دل میں ہندوستان کی سیر کرنے اور یہاں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے محمود سے ہندوستان آنے کی اجازت لی اور ہندوستان آ گئے۔

اس زمانے میں ہندوؤں سے علم حاصل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ سب سے بڑی مشکل جس سے ایک مسلمان کو گزرنا پڑتا تھا یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کو "ملیچھ" یعنی پلید سمجھتے تھے۔ ان کے سائے سے بھی بچتے تھے۔ ان کی نظر میں مسلمانوں کا درجہ اچھوتوں سے بھی نیچے تھا۔ پھر محمود کے حملوں کی وجہ سے ہندوؤں کے پنڈت جو علم کے ٹھیکے دار سمجھے جاتے تھے۔ علم کے مرکزوں سے دُور دُور بھاگ گئے تھے اور اپنی کتابیں بھی ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے علاوہ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ ان کا علم سنسکرت زبان میں تھا۔

البیرونی ہندوستان پہنچ کر اجمیر میں رہنے لگے اور سنسکرت زبان سیکھنی شروع کی۔ وہ بہت جلد اس زبان میں ماہر ہو گئے اس کے علاوہ انہوں نے ہندوستان کی کئی اور زبانیں بھی سیکھیں۔ علم کی تلاش میں ہندوستان کے چھوٹے بڑے اعظم کے مختلف علاقوں کے سفر بھی کئے۔ سندھ اور پنجاب کے دُور دراز کے علاقوں میں بھی پہنچے۔ انہیں جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ اجمیر سے سینکڑوں میل دُور بھی ایک ہندو پنڈت موجود ہے جس سے کوئی علمی مسئلہ حل ہو سکتا ہے، تو فوراً سینکڑوں میل کا سفر کر کے اس کے پاس پہنچتے اور علم کی پیاس بجھاتے۔

ہندو پنڈتوں نے پہلے تو انہیں ملیچھ ہی سمجھا۔ مگر آہستہ آہستہ انہیں اپنے پاس آنے اور بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ جب ان کا دل کسی قدر ان کی جانب سے صاف ہوا اور وہ کھل کر ان سے بات چیت کرنے لگے تو البیرونی نے وہ زبانیں انہیں سکھانی شروع کر دیں جو وہ خود جانتے تھے۔ مثلاً یونانی، عبرانی، فارسی، عربی ترکی، سریانی اور شامی زبانیں۔

ہندو پنڈتوں نے ان سے صرف یونانی زبان سیکھنے کی کوشش کی۔ اور اس کے بدلے میں البیرونی نے ان سے سنسکرت سیکھی اور بھگوت گیتا کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اور عربی ترجمے میں وہ خوبیاں قائم رکھیں جو اصل کتاب میں موجود تھیں۔ انہوں نے ہندوؤں کے مذہب، فلسفہ، نجوم اور ریاضی کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور دس بارہ سال کی محنت کا نچوڑ اپنی مشہور تصنیف "کتاب الہند" میں شامل کیا۔

"کتاب الہند" میں البیرونی نے ہندوؤں کے مذہب، فلسفہ ان کی سماجی زندگی غرض کہ ان کی تہذیب کے ہر پہلو پر بے لاگ روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح انہوں نے ہندوستان اور ہندو مذہب پوری غیر جانب داری کے ساتھ اسلامی ممالک میں پیش کیا۔ ایک غیر ملکی مصنف کی رائے میں "یہ ہندوؤں کی خوش قسمتی تھی کہ ایک حق پرست عالم نے انکی تہذیب اور سماجی زندگی کی سچی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی، جسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے مشاہدے کی بعض معمولی باتوں سے اختلاف ہو سکتا ہے، مگر عام طور پر اس نے غیر جانبداری سے کام لیا ہے اور ان کی تعریف کی ہے۔"

البیرونی نے ہندو مذہب کا پوری طرح مطالعہ کیا۔ انہوں نے بہت شوق سے ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کی کہانیاں بھی پڑھیں۔ وہ ہندوؤں کے ساتھ خوب گھل مل کر رہے۔ اس سارے تجربے کو انہوں نے چند فقروں میں لکھا:-

"ہندوؤں کا خیال ہے کہ دنیا میں ان کے ملک جیسا کوئی ملک نہیں ہے ان کی قوم جیسی کوئی قوم نہیں ہے۔ ان کے بادشاہوں جیسا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ ان کے مذہب جیسا کوئی مذہب نہیں اور ان کے علوم جیسے علوم کہیں بھی نہیں ہیں۔ ان میں گھمنڈ بہت زیادہ پایا جاتا ہے وہ اپنے آپ پر اترانے والے، بے حس اور شیخی خورے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق دنیا میں ان کے ملک کے سوا کوئی ملک نہیں ہے اور ان کے سوا انسانوں کی کوئی نسل بھی کہیں آباد نہیں ہے، اور جتنا علم ان کا ہے اس کے برابر علم رکھنے والا دنیا میں کبھی کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ ان کے غرور کا حال یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے ملک کے علاوہ کسی اور ملک مثلاً خراسان میں صحیح عالم اور علم پایا جاتا ہے تو وہ ایسی بات کہنے والے کو جھوٹا کہہ دیں گے۔"

البیرونی ہندوستان میں دس بارہ سال رہنے کے بعد واپس غزنی چلے گئے۔ اور محمود غزنوی کی وفات تک جو ۱۰۳۰ء میں ہوئی اس کے دربار میں رہے اور کتابیں لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

سلطان محمود کے بعد اس کی سلطنت سلطان مسعود غزنوی کے حصے میں آئی۔ جب وہ سلطان بنا تو البیرونی اس کے دربار کا رکن بنا۔ سلطان مسعود بھی ان کا بڑا قدر دان تھا۔ مسعود کو نجوم کا شوق تھا۔ چنانچہ اس کے بارے میں البیرونی سے سوالات کرتا رہتا تھا۔ البیرونی عربی میں اس کے سوالوں کے جواب دیتے۔ کچھ عرصہ کے بعد البیرونی نے علم نجوم کی ان بحثوں کو کتاب کی صورت دے دی۔ اس کتاب کی خوبی یہ تھی کہ یہ نہایت سادہ زبان اور عام فہم طریقے سے لکھی گئی اور اس میں نجوم جیسے مشکل علم کو اس طرح پیش کیا گیا تھا کہ ایک عام آدمی بھی اسے سمجھ سکتا تھا۔

ہندوستان میں رہائش کے زمانے میں البیرونی نے ایک کتاب "قانونِ مسعودی" کے نام سے بھی لکھی۔ اسے انہوں نے سلطان مسعود کو پیش کیا تو مسعود نے ان کو ایک ہاتھی کے وزن کے برابر چاندی انعام میں دی۔ مگر جب یہ انعام البیرونی کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے قبول نہ کیا کہ مجھے اتنی دولت کی ضرورت نہیں اور علم کو دولت کا غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ اس درویشی کی مثال بہت کم ملے گی۔

البیرونی نے ساری عمر علم کی تلاش میں گزار دی۔ انہوں نے کوئی نئی تو دنیا دریافت نہیں کی۔ وہ کوئی بڑے سیاح بھی نہ تھے جس نے عمر کا آدھا حصہ دنیا کی سیاحت میں گزارا ہو۔ ان کی سیاحت ہندوستان کے ایک شہر سے دوسرے شہر تک ہی رہی جہاں وہ کسی نہ کسی پنڈت سے کوئی علمی مسئلہ حل کرنے کے لئے گئے۔ جن شہروں کا انہوں نے سفر کیا وہ آج کل کے ہندوستان اور پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سفروں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے ہندوستان کو دریافت کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ان کا کارنامہ ہندوستان کی دریافت ہے۔

پاکستان سے البیرونی کا ایک خاص تعلق بھی ہے۔ وہ قلعہ پاکستان میں اسلام آباد سے تقریباً سو کلومیٹر پر ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادن خان کے ایک قصبے نندانہ میں ہے جہاں انہوں نے زمین کے نصف قطر کا حساب لگایا اور دنیا کو بتایا کہ زمین کا نصف قطر ۶۳۳۸.۰۸ کلومیٹر ہے۔ جدید پیمائش ۶۳۵۳.۰۹۸ کلومیٹر ہے۔ اس حساب میں اور زمین کے صحیح نصف قطر میں صرف پندرہ کلومیٹر کا فرق ہے۔ زمین کے محیط کی پیمائش بھی انہوں نے ہی کی تھی۔ انہوں نے حساب لگا کر بتایا کہ زمین کا محیط ۲۹۸۶۹ کلومیٹر ہے۔ جدید تحقیق کی رُو سے یہ محیط ۳۹۹۹۶ کلومیٹر ہے۔ اس طرح ان کے حساب میں اور زمین کے صحیح محیط میں صرف ۱۲۷ کلومیٹر کا فرق ہے۔

البیرونی نے تقریباً ساری عمر کتابیں لکھنے میں گزار دی۔ انہوں نے آخری عمر میں اپنے ایک دوست کو خط لکھا کہ میں نے ایک سو تیرہ کتابیں لکھی ہیں۔ بعض عالموں کے خیال میں البیرونی نے ایک سو اسی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ کتابیں نجوم تاریخ، نباتات، ادویات، زمین کے حالات فلسفہ، جغرافیہ اور شاعری کے بارے میں ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے وہ شاعر بھی تھے۔ مگر ان کی شاعری کا کوئی نمونہ پیش نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان کی اکثر کتابوں کی طرح ان کے شعر بھی ضائع ہو گئے ہیں۔ مگر ان کا شاعر ہونا کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اُس زمانے میں ہر پڑھا لکھا انسان شاعر بھی ہوتا تھا اور شاعر کو معزز سمجھا جاتا تھا۔

البیرونی کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے ستائیس کتابیں دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ البیرونی اپنے زمانے سے صدیوں آگے تھے یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے وقت سے صدیوں پہلے پیدا ہو گئے۔ انہوں نے ایسی ایسی باتیں دریافت کیں کہ آج کل کے عالم فاضل حیران رہ جاتے ہیں۔

البیرونی وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے زمین کے گھیر کا حساب لگانے کا ایک نہایت سادہ طریقہ معلوم کیا۔ انہیں یقین تھا کہ زمین گول ہے اور سورج کے گرد گھومتی ہے انہوں نے زمین کا ایک کرّہ (گلوب) بھی بنایا تھا۔ اور یہ خیال بھی پیش کیا کہ زمین پر مختلف زمانے آتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ خشکی سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ سمندر بھی سوکھ جاتے ہیں۔ چنانچہ خشکی نکل آتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوستان کا چھوٹا بر اعظم کبھی سمندر تھا۔ جب سمندر سوکھ گیا تو یہ چھوٹا بر اعظم نکل آیا۔

البیرونی نے زمین کی پیمائش کے مختلف طریقے نکالے، اور حساب لگا کر قبلے کی درست سمت معلوم کرنے کا طریقہ بھی معلوم کیا۔ انہوں نے زمین کی عمر بھی معلوم کی اور یہ وہی ہے جو آج کل درست مانی جاتی ہے۔ انہوں نے دھاتیں نکالنے کے لئے زمین کی پہچان کے طریقے بھی بیان کئے ہیں جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کس قسم کی زمین میں کون سی دھات موجود ہے۔ البیرونی کی کتاب "آثار الباقیہ" جس کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے بہت مشہور کتاب ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ستائیس سال کی عمر میں لکھی۔ یہ دنیا کی تاریخ سمجھی جاتی ہے۔ اس میں انہوں نے انسان کے پیدا ہونے کے وقت سے تاریخ بیان کی ہے۔ طوفانِ نوحؑ کے زمانے کے حالات اور مختلف زبانوں کے حالات لکھے ہیں پھر بابل کے بادشاہ بختِ نصر اور سکندرِ اعظم کا بھی پورے طور پہ ذکر کیا ہے۔ ان کے زمانے کا ہر مشہور تاریخی واقعہ بیان کیا ہے اور اسے ہر پہلو سے جانچا ہے ہر قوم کے مشہور راہنماؤں، بہادروں اور عالموں کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے یونانی، عرب اور ایرانی جنتریوں کے طریقوں پہ بھی بحث کی ہے۔ یہ کتاب دنیا کی تہذیبوں کی تاریخ ہے۔

البیرونی کی ساری زندگی طالب علم کی زندگی تھی۔ انہوں نے اس حدیث کی روح پر عمل کیا کہ علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے چین ہی جانا پڑے۔ چنانچہ انہوں نے عمر بھر علم حاصل کیا جس سے ملا، جہاں سے ملا، علم حاصل کیا۔ پینتالیس سال کی عمر میں سنسکرت سیکھی اور ہندوؤں کے علوم حاصل کئے اور ان علوم میں اتنے ماہر ہو گئے کہ ہندو پنڈتوں نے ان کو "ودیا ساگر" کا خطاب دیا۔ اس کے معنی ہیں "علم کا سمندر" وہ واقعی ہر لحاظ سے علم کا سمندر تھے۔

علم کی تلاش اور علم حاصل کرنے کے سفر میں انہوں نے شادی بھی نہ کی۔ تمام عمر کنوارے رہے۔ دراصل علم کی تلاش کے سفر میں انہیں شادی کرنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ ان کے دوست ان سے اکثر کہا کرتے تھے کہ "تم شادی نہ کرو گے تو تمہارا نام کیسے زندہ رہے گا" اس کے جواب میں وہ کہا کرتے "میری لکھی ہوئی کتابیں میری اولاد ہیں۔ یہی میرا نام زندہ رکھیں گی"۔

ان کا یہ قول بالکل درست ثابت ہوا۔ ان کی کتابوں نے جن کی بہت بڑی تعداد زمانے کے ہاتھوں ضائع ہو گئی۔ ان کا نام زندہ ہی نہیں رکھا۔ بلکہ ہر زمانے میں یہ کتابیں ان کے نام کی چمک دمک بڑھاتی رہیں اور اب ایک ہزار سال گزرنے کے بعد بھی ان کا نام زندہ اور روشن ہے۔ ان کے علمی کارناموں کی وجہ سے ہر ملک اور ہر قوم ان کو اپنا فرد سمجھتی ہے اور ان کے نام پر فخر کرتی ہے۔

ان کے علم کی پیاس کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ وہ بہت بیمار ہوئے۔ ان کے ایک دوست خیریت معلوم کرنے آئے۔ دیکھا کہ بیماری سے بری حالت ہے، شاید تندرست نہ ہو سکیں۔ وہ بے ہوش تھے۔ جب ہوش آیا تو ایک دوست کو سرہانے بیٹھا پایا۔ کچھ بات چیت ہوئی۔ انہیں یاد آیا کہ اس دوست سے ایک علمی مسئلے پر کوئی بات کرنی تھی۔ چنانچہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا۔ دوست نے کہا "آپ بیمار ہیں۔ اس مسئلے پہ پھر بات ہو جائے گی"۔ مگر انہوں نے کہا "یہ کہیں اچھا ہو گا کہ میں ایک مسئلے پر کچھ معلوم کر کے مروں، بجائے اس امر کے کہ اس مسئلے پہ جانے بغیر مر جاؤں"۔ دوست نے اس مسئلے پہ روشنی ڈالی وہ نہایت غور سے سنتے رہے۔ ان کے جوابات کو اپنے دماغ میں اچھی طرح بٹھایا۔ اس کے بعد ان کے دوست ان کی اجازت سے اپنے گھر جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ مگر ابھی ان کے مکان سے باہر نہیں آئے تھے کہ ان کے مکان سے رونے کی آواز آنے لگی۔ دوست سمجھ گئے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے فوراً واپس پہنچے۔ ان کا خیال درست تھا۔ البیرونی فوت ہو چکے تھے۔ وہ ۱۳ر دسمبر ۱۰۴۸ء کو فوت ہوئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۷۵ سال تھی۔

ولادت

(۱) مکرم بشیر احمد خواجہ صاحب آف ہمبرگ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۸۸ء کو پہلے بیٹے سے نوازا ہے۔ نومولود مکرم خواجہ غلام احمد صاحب آف سیالکوٹ حال ہمبرگ کا پوتا اور مکرم ملک محمود مجید خان صاحب ایڈووکیٹ لاہور کا نواسہ ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت نومولود کا نام سفیر احمد خواجہ رکھا ہے۔ حسب خواہش والدین نومولود تحریک "وقفِ نو" کے تحت واقف زندگی ہے۔

احباب جماعت سے بچے کی صحت و سلامتی والی درازیٔ عمر خادم دین اور والدین کے لئے قرۃ العین ہونے کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

(عبدالمالک نمائندہ الفضل)

مری دو بچیوں عزیزہ منصورہ اہلیہ میجر ڈاکٹر طاہر احمد صاحب راولپنڈی کو مورخہ ۲۴ اکتوبر اور عزیزہ محمودہ اہلیہ عقیل احمد صاحب کو مورخہ ۲۵ اکتوبر کو خدا تعالیٰ نے اولاد سے نوازا ہے۔ اول الذکر کے تمام بچوں کا نام حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ظافر احمد اور محمودہ طاہر رکھے ہیں جبکہ موخر الذکر کے بچے کا نام نبیل احمد رکھا ہے قارئین الفضل سے ان بچوں کی درازی عمر اور خادم دین ہونے کے لئے دعا کی استدعا ہے۔

(ناصرہ بیگم اہلیہ آغا حمید اللہ خان
سندھ ہاؤس دارالرحمت شرقی ربوہ)

(۲) میری بیٹی سیدہ عالیہ محمود اہلیہ سید طارق احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ۴/۱۰/۸۸ کو پہلی بچی عطا کی ہے۔ حضور نے ازراہ شفقت بچی کا نام عفیفہ نکہت تجویز فرمایا ہے۔

نومولودہ مکرمی سید داؤد مظفر شاہ صاحب اور صاحبزادی امۃ الحکیم صاحبہ کی پوتی اور مکرمی سید عبداللہ شاہ صاحب کی پڑنواسی ہے۔

احباب سے درخواست ہے کہ بچی کی درازیٔ عمر۔ اسکے نیک اور صالح اور قرۃ العین ہونے کی دعا کریں۔

(سید محمود احمد ماڈل کالونی۔ کراچی)

۱۔ خاکسار کے بیٹے عزیزم ڈاکٹر سلیم طارق بیگ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ۲۰ر نومبر ۱۹۸۸ء کو پہلا بیٹا عطا فرمایا ہے ڈاکٹر سلیم طارق بیگ مرزا معظم بیگ صاحب مرحوم سابق افسر لنگر خانہ کا پوتا اور مکرم مرزا منیر بیگ صاحب کا نواسہ ہے۔ عزیزم ڈاکٹر سلیم طارق بیگ کی شادی ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو عزیزہ فوزیہ کے ساتھ ہوئی۔ تھی احباب اس بچے کی درازیٔ عمر۔ خادم دین صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے درخواست دعا ہے۔

(مرزا مبارک بیگ ۳۰۳/ڈی سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی)

۲۔ خاکسار کے لڑکے اعزاز رسول ہمبرگ جرمنی کو اللہ تعالیٰ نے ۲۷/۹/۸۸ کو ایک اور بیٹی سے نوازا ہے ۱۷/۱۰/۸۸ کو میری بیٹی منصورہ شاہین ندیم کو پہلے بیٹے سے نوازا ہے ہر دو کے نام بالترتیب نبل رسول اور اسامہ تجویز کئے گئے ہیں۔ اسامہ بابو ہدایت اللہ صاحب سابق کاتب الفضل ہیں۔ ہر دو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور کی تحریک وقفِ نو میں شامل ہیں۔

احباب سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں بچوں کو دین اور دنیا میں اعلیٰ ترقیات عطا فرمائے اور لمبی زندگی دے اور والدین اور خاندان کے لئے قرۃ العین بنائے آمین۔ (ممتاز رسول شیخ حال جرمنی)

درخواست دعا

محترم چوہدری خیر الدین صاحب صدر جماعت چک نمبر ۸ ایم بی قائد آباد ضلع خوشاب ایک ماہ سے مختلف عوارض کی وجہ سے ربوہ میں صاحب فراش ہیں۔ احباب جماعت سے کامل و عاجل شفایابی کے لئے درخواست دعا ہے۔

(ناصر احمد ۳۹/۲۸ دارالعلوم شرقی ربوہ)

بقیہ: ایک واقعہ

اور مولوی صاحب محمود الحسن صاحب صدر ختم نبوت یوتھ فورس اسلام آباد نے بھی رپورٹ کر دی اور اے۔ سی صاحب نے حکم جاری کیا کہ باقاعدہ مقدمہ درج کر کے ایف آئی آر کاٹی جائے۔ چنانچہ ۱۳ دسمبر ۱۹۸۸ء کو پرچہ ہو گیا۔ ۱۵ دسمبر کو اس۔ ایف آئی آر میں درج دوستوں کی عبوری ضمانت قبل از گرفتاری کروائی گئی۔ اس کی توثیق کے لئے اب ۲ جنوری ۱۹۸۹ء کی تاریخ پڑی ہے۔ ایف آئی آر کا متن درج ذیل ہے۔

"بخدمت جناب ایس۔ ایچ صاحب تھانہ
آبپارہ اسلام آباد

جناب عالی

مؤدبانہ گزارش ہے کہ ایک قادیانی محمد ادریس مبارک ولد ایم آئی منور سکنہ مکان ۵۱۳ سی گلی ۹۸ سیکٹر ۴-۱/۶ G اسلام آباد کا رہائشی ہے کوئی قادیانی دفعہ ۲۹۸/c کے تحت شعار اللہ استعمال نہیں کر سکتا۔ محمد ادریس نے دفعہ ۲۹۸/c کے تحت قانونی خلاف ورزی کی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو اپنا شادی کارڈ دیا جس میں درج تحریر ہے۔ شادی کارڈ کی فوٹو کاپی ہذا درخواست کے ساتھ منسلک ہے۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم (۲) نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ (۳) السلام علیکم ورحمۃ اللہ (۴) انشاء اللہ۔ دفعہ ۲۹۸/c تعزیرات پاکستان کی درج ذیل اشخاص نے خلاف ورزی کی ہے (۱) محمد ادریس مبارک (۲) محمد انیس بشارت (۳) مرزا عبدالرزاق (۴) ناصر احمد (۵) محمد اشرف (۶) بیگم و ایم آئی منور (۷) ایم آئی منور۔

ان تمام اشخاص کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔ دستخط اردو حافظ محمود الحسن صدر ختم نبوت یوتھ فورس اسلام آباد۔ دستخط اردو محمد بشیر خان آفس سیکرٹری دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اسلام آباد

(اس کے آگے کارروائی پولیس کی تفاصیل درج ہیں)

تاریخ ۱۳-۱۲-۸۸ محررا ے ایس آئی آبپارہ۔

تاریخ و وقت رپورٹ رپٹ ۳۳
۱۳/۱۲/۸۸ بوقت ۶/۳۰ بجے شام

نام اطلاع دہندہ :-

تحریری درخواست حافظ محمود الحسن صدر ختم نبوت یوتھ فورس۔ اسلام آباد

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آپ کا خط ملا

مکرم مبارک احمد ساقی صاحب کا ایک خط

محترم مسعود احمد خاں صاحب دہلوی کسی قدر طویل رخصت پر ہیں اور ان کی رخصت کے زمانے میں الفضل کے اجراء پر حضرت امام جماعت احمدیہ نے عاجز کو ایڈیٹری کا شرف بخشا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک بڑی دلچسپ اور ایمان افزاء بات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اور وہ یہ بات ہے کہ الفضل جاری ہونے سے دو تین روز قبل محترم شیخ مبارک احمد صاحب جو اس وقت امریکہ میں احمدیہ جماعت کے مہتمم اعلیٰ ہیں نے خواب دیکھا کہ الفضل جاری ہو گیا ہے اور اس پر "نسیم سیفی" کا نام بطور ایڈیٹر لکھا ہوا ہے۔ یہ بات ہر احمدی دوست کیلئے یقیناً ازدیادِ ایمان کا باعث ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے پیارے بندوں کو مستقبل میں ہونے والی باتوں کی اطلاع دیتا ہے۔ خاکسار کو حضور کی طرف سے ایڈیٹر مقرر کیے جانے کی پوری تفصیل مکرم مولانا مبارک احمد صاحب ساقی ایڈیشنل وکیل التبشیر لندن نے اپنے ایک حالیہ خط میں تحریر کی ہے میں اس خط کا ایک اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ یہ اقتباس محترم شیخ صاحب کے خواب کی اہمیت کو اور بھی اجاگر کرے گا۔ (نسیم سیفی)

ساقی صاحب لکھتے ہیں:۔

"الفضل کے اجراء سے دو تین دن قبل شیخ مبارک احمد صاحب نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ الفضل جاری ہو گئی ہے اور اس کے اوپر ایڈیٹر کا نام نسیم سیفی لکھا ہوا ہے۔ اس خواب میں جو پُرلطف بات ہے وہ یہ ہے کہ جس دن شیخ صاحب کی خواب پر مشتمل خط پہنچا اس سے ایک دن قبل ربوہ سے یہ درخواست حضور کی خدمت میں پیش ہوئی کہ اخبار الفضل کے مقدمہ کی سماعت ہونے والی ہے اغلب خیال ہے کہ طباعت کی اجازت مل جائیگی اور چونکہ مکرم مسعود دہلوی صاحب ایڈیٹر الفضل رخصت پر ہیں اس لئے ان کی واپسی تک کسی ایڈیٹر کا نام منظور فرمایا جائے۔ حضور نے اس درخواست پر لکھا "نسیم سیفی صاحب" مکرم شیخ صاحب کی خواب والا خط ابھی پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے پیش ہونے والی ڈاک میں پڑا تھا کہ دوسری طرف مرکز کے خط پر حضور نے آپکی تقرری فرمائی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ اعزاز ہر لحاظ سے مبارک کرے۔"

مکرم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ موجودہ دور کے مسائل پر بہت اچھے رنگ میں اداریہ اور مضامین کے ذریعہ لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ "تعلیمی معیار" کے عنوان کے تحت بھی آپ نے قابلِ غور امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر محترم میاں محمد ابراہیم صاحب نے بھی تعلیمی انحطاط کے ضمن میں بعض امور کی نشان دہی کی ہے۔ ان کا خط پڑھ کر مجھے اپنا طالب علمی کا زمانہ یاد آگیا۔ ہمارے اساتذہ نہ صرف متقی، مخلص فرض شناس، محنتی اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں پوری توجہ دیتے تھے۔ بلکہ وہ اپنے شاگردوں کو انتہائی شفقت اور پیار اور ذاتی تعلق سے نوازتے تھے۔ ٹھیک ہے بعض اوقات کوئی غلطی کرے تو اسے مناسب سرزنش بھی کرتے تھے۔ لیکن ان کی شفقت ہمیشہ غالب رہتی تھی اور طالب علم محسوس کرتا تھا کہ میرے استاد کو ہمیشہ میری بہتری ہی مدنظر ہوتی ہے۔ کمزور بچوں کو فری کوچنگ، نادار بچوں کی فیس کی ادائیگی یا معافی کی سفارش، اچھے اور ذہین طالب علموں کی مختلف رنگ میں راہنمائی اور زائد مطالعہ کے لئے کتب کی نشان دہی بلکہ خرید کر لا دینا۔ ان کے ذاتی مسائل کے حل کی طرف توجہ اور سکول اور یونیورسٹی کے امتحانوں کے لئے خصوصی تیاری کے لئے مزید وقت دینا۔ بچوں کے کام کی نگرانی اور چیکنگ، ان کی دیگر مصروفیات پر نظر اور بروقت مناسب راہنمائی وغیرہ بہت سی باتیں ہیں جن کی طرف ہمارے اساتذہ لگاتار اور ہمہ وقت توجہ دیتے تھے اور اس طرح ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ انکے شاگرد عملی میدان میں جاکر نہ صرف ملک و قوم بلکہ بنی نوع انسان کے لئے بھی مفید وجود ثابت ہوئے ہیں۔ اور ان کے کام ان کیلئے صدقہ جاریہ کا کام دے رہے ہیں۔ کاش ہمارے اس دور کے اساتذہ بھی بے لوث اور پرخلوص توجہ سے اپنے شاگردوں کے علمی معیار کو بلند کرنے کی توفیق پائیں۔ اور سعادت دارین حاصل کریں

مکرم م۔ش۔ خالد صاحب

آپ نے "الفضل" میں خطوط کا سلسلہ شروع کرکے اہم قومی امور و مسائل پر تبادلہ خیالات کا ایک انٹرنیشنل پلیٹ فارم مہیا کر دیا ہے۔ اس سے نہ صرف قارئین کو مزید غور و فکر کا موقع ملے گا بلکہ بات کو آگے بڑھانے یعنی لکھنے لکھانے کی ذہنی انگیخت Intellectual excitement بھی ممکن ہو گئی ہے۔ لہٰذا لیجیئے حاضرِ خدمت ہے

ع این ہمہ آوردۂ تست

"معیارِ تعلیم" کے اہم قومی مسئلہ پر آپ نے واقعی ایک نئے پہلو۔ مثبت پہلو۔ کو نمایاں کرکے سوچوں کو آگے لے جانا چاہا کہ معیارِ تعلیم کا گراف بلند ہی ہوا ہے۔ نیچے بہرحال نہیں گیا۔ آپ کا سادہ آسان فہم طرزِ استدلال بہت پسند آیا۔ لیکن آج ۲۱ دسمبر ۸۸ کے الفضل میں دو بزرگ اساتذہ کے خطوط نظر نواز ہوئے ہر دو بزرگ انگریزی زبان کے بڑے ماہر قابل استاد ہیں۔ لیکن خاکسار آپ کے ایڈیٹوریل کی روشنی میں "معیار تعلیم" کے مفہوم کا تعین کرنا ضروری سمجھتا ہے تاکہ حاصل بحث "مقصود وحید" کے قریب تر لے جائے۔ آگے بڑھتی ہوئی بحث میں "معیار تعلیم" کو محدود کرکے انگریزی زبان کے معیار تدریس کا رخ دے دیا گیا ہے۔ تعلیمی معیار سے مراد اگر صرف انگریزی زبان کا معیار لیا جائے تو پھر یقیناً ماننا پڑے گا کہ انگریزی انگریز کی موجودگی میں انگریزی زبان حاکموں کی زبان تھی (اور ہے تو اب بھی) اور انہوں نے انگریزی زبان کی حاکمیت کا ایک مجموعی ماحول (رعب) قائم رکھا تھا۔ لیکن آزادی کے بعد انگریزی زبان انگریزی دور کی طرح کا مقام، مرتبہ یا معیار برقرار نہیں رکھ سکتی تھی۔ کم از کم عوام الناس کی سطح پر اردو میڈیم سکولوں کالجوں میں۔ ہاں خصوصی سطح پر یعنی چیفس کالج یا گھوڑا گلی کالج وغیرہ میں آپ انگریزی زبان کے معیار کو کمتر نہیں قرار دے سکتے کیونکہ وہاں کے طلباء فر فر انگریزی بولتے ہیں اگر بولنا ہی معیار ہو اور جس رفتار سے وطنِ عزیز میں انگلش میڈیم سکول کھل رہے ہیں وہ بھی ایک تلخ حقیقت کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ مگر ان پر الگ بات کرنا پڑے گی۔

لیکن یہ نتیجہ ہم نہیں نکال سکتے کہ آزادی کے بعد ہمارا نظامِ تعلیم یا معیارِ تعلیم مجموعی طور پر گرا ہے۔ خدا کے فضل سے ایسا ہرگز نہیں۔ تعلیمی شعبہ میں اگر پاکستان کا معیار گرتا تو پھر ہمارے وہ سینکڑوں طلباء جو ہر سال ہماری یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہو کر "کھلے مقابلہ" کے بعد یورپ، امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک کی یونیورسٹیز میں داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ وہاں ناقص اور کمزور تعلیمی بنیاد کے ساتھ قطعاً آگے نہ چل سکیں۔ لیکن ایسا نہیں۔ ہمارے فارغ التحصیل طلباء امریکہ، یورپ میں بھی ساری دنیا کے طلباء سے ٹھیک ٹھاک کامیاب مقابلہ کرکے آگے بڑھتے ہیں اور نمایاں کامیابیاں حاصل کرکے ملک و ملت کا نام روشن کرتے ہیں۔ ایک زمانہ گواہ ہے کہ ہمارے سائنسدان، ڈاکٹرز، انجینئرز اپنے اپنے میدان میں اپنی صلاحیتوں کا سکہ ساری دنیا سے منواتے ہیں۔ یہ حقیقت اس امر کا بین ثبوت ہے کہ ہمارا معیارِ تعلیم گرا بالکل نہیں بلکہ بڑھا ہے۔ ہاں اتنا نہیں بڑھا جتنا کہ ایک آزاد اور زندہ قوم کی حیثیت سے بڑھنا چاہیئے تھا۔ اور اس افسوسناک صورتِ حال کی وجہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد ہر حکومت نے صحیح قومی ترجیحات متعین کرنے میں مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ، بے حسی کیا۔ اور قومی وسائل کو لوٹ کھسوٹ کے عمل میں ضائع کیا۔ آزادی کے معاً بعد کوریا کی جنگ کے نتیجہ میں پاکستان نے جو فارن ایکسچینج (پٹ سن کی برآمد سے) کمایا۔ اگر اس کو صحیح طور پر سائنس، صنعت اور ٹیکنالوجی کے کامیاب حصول پر صرف کیا جاتا اور ۱۹۵ء میں ہی پاکستان میں سٹیل مل وغیرہ لگا دی جاتی تو آج پاکستان کے دونوں بازو۔ مشرقی اور مغربی۔ کوریا، جاپان کے ہم پلہ ہوتے۔ افسوس قومی ترجیحات میں تعلیم خصوصاً سائنسی تعلیم کو ہمیشہ نظرانداز کیا گیا۔ نتیجۃً آج آزادی کے چالیس سال بعد بھی نتو میں سے اسی پاکستانی ان پڑھ ہیں تعلیم عام کرکے جہالت کو ختم کرنا ہماری ہر

(باقی ص ۷ پر)

بے بی ٹانک BABY Tonic قیمت ۶/-
بے بی گروتھ کورس BABY GROWTH COURSE ۲۵/-
چھوٹا قد کورس DWARFISHNESS COURSE ۱۰۰/-
باڈی بلڈنگ کورس BODY BUILDING COURSE ۴۵/-
تفصیلی لٹریچر ۳/- کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر منگوائیں
کیورٹو میڈیسن کمپنی رجسٹرڈ
گولبازار ربوہ
فون ۲۷۱/۶۰۶

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قابلِ غور

برادرم مولانا عطاء المجیب صاحب راشد نے لندن سے اخبارات کے ایسے تراشے ہمیں ارسال کئے ہیں جن میں سائنسدانوں کے اس حتمی بیان کا ذکر ہے کہ وہ کپڑا جسے عیسائی دنیا میں کچھ عرصہ سے شراؤڈ کہا جا رہا ہے اور جس کے متعلق اس خیال کا۔ بلکہ یقین کا۔ اظہار کیا جاتا رہا ہے کہ یہ وہی کپڑا ہے جس میں صلیب دیئے جانے کے بعد مسیح ناصری کو لپیٹا گیا تھا۔ یہ کپڑا تو صرف چھ سو سال پرانا ہے اور اس لحاظ سے یہ کسی صورت میں بھی وہ کپڑا نہیں ہو سکتا جس کے متعلق عیسائی کہتے ہیں کہ اس نے مسیح کے جسم کے اثرات اپنے اندر جذب کر لئے تھے۔ اور مسیح ناصری کو بائیں طرف نیزہ لگنے کی وجہ سے جو خون نکلا تھا اس کے دھبوں کے نشان بھی اس پر نمایاں ہیں۔ اگر یہ کپڑا ہے ہی چھ سو سال پرانا تو پھر یہ ساری کہانی نادرست ہوئی۔ لیکن جو لوگ اسے درست مانتے رہے ہیں ان کے متعلق ایک بات سنئے۔ اور پھر غور کیجئے۔ کیونکہ اس کالم کا نام ہی "قابلِ غور" ہے وہ بات یہ ہے کہ ہمارے دوست بشیر احمد خاں صاحب رفیق ایک کتاب کا ذکر کرتے تھے وہ کتاب ہم نے تو نہ پڑھی ہے نہ دیکھی۔ اس لئے رفیق صاحب کی روایت ہی کے تسلسل میں ہم یہ بات کرتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ اس کتاب میں ایک معذور لڑکی کا ذکر ہے جو چل پھر نہ سکتی بلکہ کھڑی بھی نہیں ہو سکتی تھی کتاب کے مصنف کو اس شراؤڈ کا خیال آیا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر یہ لڑکی اس شراؤڈ پر ایک نظر ڈال سکے تو چنگی بھلی ہو جائیگی۔ اور اس خیال کے آتے ہی انہوں نے شراؤڈ تک پہنچنے کی کوشش شروع کر دی۔ ایک سے دوسرے تک پہنچا۔ اور وہاں سے کسی اور تک۔ وہ پوپ تک بھی پہنچا اور سپین کے بادشاہ تک بھی۔ اور آخر کار اس کی امید بر آئی اور شراؤڈ اس لڑکی کو دکھانے کا انتظام ہو گیا چنانچہ وہ اس لڑکی کو لے کر ٹورین گیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں یہ شراؤڈ رکھا ہوا ہے۔ بکس کھولا گیا۔ شراؤڈ کو دونوں طرف سے پکڑ کر اوپر اٹھایا گیا اور اپاہج لڑکی کو دکھایا گیا۔ مصنف کہتا ہے۔ کہ جونہی اس اپاہج لڑکی نے شراؤڈ کو دیکھا وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور پھر آہستہ آہستہ چلنے لگی اور چند لمحوں میں وہ بالکل ٹھیک ہو گئی۔ اس سارے واقعہ کی بے شمار تصاویر لی گئیں۔ یہ ساری تصاویر کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ اس شراؤڈ کی کرامت ہے اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ شراؤڈ جعلی ہے۔ انیس سو سال پرانا نہیں۔ بلکہ صرف چھ سو سال اس کی زندگی بنتی ہے۔ اس کپڑے نے مسیح ناصری کے جسم کو مس ہی نہیں کیا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا کتاب ایک بہت بڑے فراڈ پر مشتمل ہے۔ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ نہ مسیح ناصری کی یہ کرامت ہے نہ شراؤڈ کی کرامت ہے یہ مصنف کے ذہن کی جس نے یہ فراڈ کیا۔ کس طرح اس پر غور کیجئے۔

نسیم سیفی

بقیہ : آپ کا خط ملا

حکومت کی اوّلین ترجیح ہونی چاہیئے تھی۔ اور جہاں تک انگریزی کو پنجابی میں پڑھانے اور معیار گرانے والی بات ہے تو اس میں پنجابی کا قطعاً قصور نہیں۔ سائنس کے مشکل موضوع پر ایک بار ہمارے نوبل لاریٹ پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا اردو میں لیکچر سننے کا شرف حاصل ہوا اور ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے پنجابی میں اپنا مافی الضمیر یوں بیان کیا کہ یقین کیجیئے ڈاکٹر سلام صاحب کے ان لیکچرز کا اثر دل و دماغ پر آج تک تازہ محسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا، اردو۔ پنجابی کی وجہ سے معیارِ تعلیم تدریس کے گرنے کا فلسفہ بھی قابل قبول نہیں اس ضمن میں زبان کا معیار، سیکھنے سکھانے۔ پڑھنے پڑھانے کا معیار ضرور گرا ہے۔ اور انگریز بہادر کے راج کے خاتمہ کے بعد تو انگریزی زبان کا معیار لازماً گرنا ہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ مجموعی معاشری ماحول و محرکات و ترجیحات کا جائزہ لینا پڑیگا۔

"یاد رکھو جب کوئی قوم تباہ ہونے کو آتی ہے تو پہلے اس میں جہالت پیدا ہوتی ہے اور وہ دین جو انہیں سکھایا گیا تھا اسے بھول جاتے ہیں جب جہالت پیدا ہوتی ہے تو اس کے بعد یہ مصیبت اور بلا آتی ہے کہ اس قوم میں تقویٰ نہیں رہتا اور اس میں فسق و فجور اور ہر قسم کی بدکرداری شروع ہو جاتی ہے اور آخر اللہ تعالیٰ کا غضب ایسی قوم کو ہلاک کر دیتا ہے کیونکہ تقویٰ اور خدا ترسی علم سے پیدا ہوتی ہے۔"

(ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۳۰۲ تا ۳۰۳)

قربِ الٰہی کیلئے ضروری ہے کہ غیر اللہ کی نفی کی جائے

قدرتِ ثانیہ کے مظہر ثالث حضرت حافظ مرزا ناصر احمد فرماتے ہیں

"ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو اس رنگ میں گزاریں اور انتہائی کوشش کے نتیجہ میں اس بات کو حاصل کر لیں کہ اللہ ہی اللہ ہو۔ بندے اور اللہ کے درمیان اور کوئی چیز باقی نہ رہے۔ جب تک ہماری یہ کوشش نہیں ہوگی۔ اس وقت تک خدا تعالیٰ کا قرب ہمیں حاصل نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میرے قرب آنا چاہو گے تو میں تمہارے قریب آؤں گا۔ اگر تم یہ کوشش کرو گے کہ اتنے قریب آجاؤ کہ غیر اللہ نیست ہو جائے اور تمہاری کوشش یہ ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان غیر اللہ نہ رہے تو میں تمہارے اتنا قریب آجاؤں گا کہ پھر اس طرح ملاپ ہو جائے گا۔ کہ کوئی چیز بیچ میں آہی نہ سکے۔ یہ ولایت کے معنی ہیں جس کا یہاں اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے لئے بڑا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے بڑا جہاد کرنا پڑتا ہے اس کے لئے بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے انتہائی چوکس رہ کر اپنے اعمال کو سنوارنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے ہر محبت، ہر پیار اور ہر تعلق، رشتہ داری کا اور دوسرا جس کا تعلق خدا سے نہیں۔ ان سارے علائق کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ لیکن خدا میں ہو کر خدا کے حکم سے اقربا پروری بھی کرنی ہوتی ہے۔ دوست نوازی بھی ہوتی ہے۔ ہمسایہ کے حقوق بھی ادا کرنے ہوتے ہیں۔ بنی نوع انسان کی خدمت بھی کرنی ہوتی ہے لیکن خدا میں ہو کر خدا کی ولایت کے بعد، پہلے نہیں۔ کیونکہ دنیا میں ہمیں یہ نظر آتا ہے۔ انسان نے اپنی پیدائش سے اس وقت تک یہی دیکھا کہ انسان کے جو انسان کے ساتھ تعلقات ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہے جو خدا کو چھوڑ کر انسان ان تعلقات کو نبھاتا ہے اپنے بھائی کے لئے۔ اپنے عزیزوں کے لئے، اپنے دوستوں کے لئے ہر قسم کے ناجائز حربے استعمال کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ایک یہ تعلق دو انسانوں کے درمیان انسان کی زندگی میں ہمیں نظر آتا ہے لیکن ایک وہ تعلق ہے کہ جب انسان کہتا ہے کہ میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اس تعلق کے جو میرے رب نے قائم کیا ہے۔ یہ بھی ایک تعلق ہمیں نظر آتا ہے۔ اور دراصل انسان انسان کے درمیان قابل اعتبار تعلق صرف یہی ہے۔ جس شخص کو یہ پتہ ہو کہ زید میری خدمت میں اس لئے نہیں لگا ہوا کہ اس نے مجھ میں کوئی خوبی دیکھی۔ اگر ایسا ہے تو پھر تو خطرہ ہے کہ جس وقت وہ خوبی نظر سے اوجھل ہو جائے اس کی خدمت بند ہو جائے گی۔ بلکہ میری خدمت میں وہ اس لئے لگا ہوا ہے کہ خدا نے اسے کہا۔"

(الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۷۴ء صفحہ ۲)

نیا سال، نیا دور مبارک ہو
عزیز دواخانہ (رجسٹرڈ)
حکیم منور احمد
چک چھٹہ ضلع گوجرانوالہ

ایک نئے عزم کیساتھ ربوہ میں سب سے پہلا ادارہ
احمد اسٹیٹس (رجسٹرڈ) ربوہ
فون دفتر: ۵۳۵ گھر: ۴۳۶

تفصیلی لٹریچر مفت
• اکسیر اپھارہ • اکسیر دودھ
• اکسیر کتار • تریاقِ زہرباد
• اکسیر سرکن • اکسیر واہ
و دیگر اکسیرات حیوانات کے نرخ
فی پیکٹ ۳/- درجن ۲۷/- گرس ۳۰۲/- بونس علاوہ
کیوریٹو میڈیسن کمپنی رجسٹرڈ ربوہ فون ۶۰۶ ۷۷۱ ۶۰۷

حضرت حکیم نظام جان کے
مشہور دواخانہ پر
حکیم عبدالحمید اعوان
ہر ماہ کی ۵-۶-۷ تاریخ کو اقصیٰ چوک (نزد لیٹر بکس) ربوہ میں حاضر ہوتے ہیں
خواتین کیلئے معائنہ کا مستقل طور پر انتظام ہے
مینیجر: مشہور دواخانہ
نزد لیٹر بکس اقصیٰ چوک ربوہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بقیہ : خلاصہ خطبہ جمعہ

کو کمانا ناممکن ہے لیکن ایسی دولت کبھی بھی انسان کو غنی نہیں بنا سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عارفانہ تعلیم کی رو سے یہ غناء نہیں ہے غناء وہی ہے جو قناعت کے ساتھ ہاتھ ملا کر اور قدم بڑھا کر آگے بڑھتی ہے اور اس کے نتیجہ میں پھر دنیا کی دولتیں ایک قانع غنی کو بالآخر نصیب ہوا کرتی ہیں اور جب تک وہ قناعت کی حدود میں رہتے ہوئے خدا کی رضا تلاش کرتے رہتے ہیں، اللہ کے فضل کے ساتھ ان کے رزق، ان کی غناء میں ہمیشہ وسعت ہوتی چلی جاتی ہے۔

حضور نے فرمایا اگر اس مضمون کا تعلق توحید سے ہے تو اس کے برعکس اسے شرک نظر آنا چاہیئے۔ چنانچہ قرآن کریم نے بالکل یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو اپنی خواہشوں کو محدود نہیں کر سکتے ان کا انجام لازماً شرک پہ ہوتا ہے۔ پس دنیا میں آپ کبھی کسی ایسے شخص کی ضمانت نہ دیں جو قانع نہیں ہے۔ کیونکہ جو قانع نہیں ہے وہ اپنی ہوا کی پیروی کرے گا اور کسی موقع پر آکے آپ کی ساری توقعات کو توڑ دے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر وہ شخص جو قانع نہیں وہ لازماً مشرک ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اُس نے شرک کا خطرہ مول لے لیا ہے اور اگر وہ اپنی ہوا کی پیروی میں بالآخر جائز رستوں کو چھوڑ کے ناجائز رستوں پہ قدم مارنے لگے گا تو اس کا ہر قدم اس کو شرک کی طرف لے کر آگے بڑھے گا۔ اس لئے یہ خیال کر لینا کہ خدا تعالیٰ سے دوڑ کر کسی اور طرف آپ کے لئے نجات ممکن ہے یہ خیال بالکل باطل اور بے معنی خیال ہے۔

حضور نے فرمایا یہ مضمون میں چونکہ اللہ کی طرف دوڑو کے تابع بیان کر رہا ہوں اس لئے اب اللہ کی طرف دوڑنے کا یہ مضمون ہمیں سمجھ آیا کہ دراصل خدا کے سوا کسی طرف دوڑا جا ہی نہیں سکتا۔ اور اگر تم خدا کے سوا کسی طرف دوڑنے کی کوشش کرو گے تو قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ تم ہرگز نہیں دوڑ سکو گے۔ جدھر تم منہ کرو گے خدا کی تقدیر تمہارے رستے روکے ہوئے کھڑی ہو گی اور تمہیں کہے گی کہ ہم تمہیں خدا سے نہیں دوڑنے دیں گے۔

حضور نے فرمایا اس بات کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم اگر محبت سے خدا کی طرف دوڑو گے تو جدھر دیکھو گے ادھر تمہیں خدا ہی خدا نظر آئے گا اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اگر خدا سے بھاگنے کی کوشش کرو گے تو بھاگ نہیں سکو گے۔ خدا کی تقدیر تمہیں ہر جگہ کھڑی دکھائی دے گی۔ اسی لئے دین جو قناعت پیش کرتا ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ تم محبت کی قناعت اختیار کرو۔ رضا کی قناعت اختیار کرو اس میں تمہارے لئے جنت ہے۔ ورنہ تمہارے لئے کوئی چارہ نہیں کیونکہ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ خدا کی مرضی کے سوا تمہیں نصیب نہیں ہو سکے گا۔ پس جماعت کو قناعت کے مضمون کو خوب سمجھنا چاہیئے اور توحید کے ساتھ اس کا جو تعلق ہے اس کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ عہد کئے ہوئے ہیں کہ خدا کی توحید کو قائم کرنے کے لئے ہر طرح تیار ہو کے اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے سج کر ہم اگلی صدی میں داخل ہوں گے اور ساری دنیا کو اللہ نے چاہا تو امتِ واحدہ بنا دیں گے۔

مباہلہ کے بارے میں چند باتیں

حضور نے فرمایا اس مضمون کو یہیں چھوڑتا ہوں اور اب میں مباہلہ کے متعلق چند باتیں آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں۔ کیونکہ کم و بیش چھ ماہ کے بعد مباہلہ کی ایک نئی صورت پیدا ہوئی ہے کہ انگلستان کے ایک مولوی نے یہ چیلنج دیا ہے کہ آپ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ایک جگہ اجتماع ہونا ضروری نہیں تو ہم آپ کے لئے ایک اور صورت پیش کرتے ہیں۔ گویا (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے) وہ ہماری پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ہم تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کے حضور جھوٹوں پہ لعنت ڈال چکے ہیں تمہیں جرأت ہے تو تم بھی لعنت ڈال کے دکھاؤ۔ لیکن دنیا کو دھوکہ دینے کی خاطر اور شاید اس خیال سے کہ ہم اس بات کو نہیں مانیں گے، انہوں نے ایک مضمون شائع کر کے سب جگہ بھجوایا لیکن ہمیں نہیں بھجوایا۔ جس سے یہ شبہ اور قوی ہوتا ہے کہ ان کی نیت یہ تھی کہ ان کو پتہ ہی نہ لگے۔

بہر حال مضمون یہ تھا کہ ہم ۲۳ دسمبر بروز جمعہ آپ کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ مشارکت مکانی نہیں تو مشارکت زمانی کر لیں یعنی ایک جگہ اکٹھا ہونا نہیں چاہتے تو ایک وقت میں اکٹھے ہو جائیں اور کوئی وقت مقرر کر لیں تین چار روز قبل مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں نے کہا کہ فوراً ان سے رابطہ کریں اور ان کو کہیں کہ ہمیں یہ منظور ہے۔ اگرچہ ہمارا موقف یہی ہے کہ اس قسم کی جو شرطیں انہوں نے بنائی ہوئی ہیں اس کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس اتفاق کی ضرورت ہے۔ لیکن چونکہ یہ اس کو تماشہ بنانا چاہتے ہیں اور ہمیں بتائے بغیر دوسروں پر یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ہم نے یہاں تک رعایت کی مگر پھر بھی انہوں نے تسلیم نہیں کیا۔ اس لئے ہم اس کو اسی طرح تسلیم کرتے ہیں۔ اب ان کے لئے بھاگنے کے لئے راہ کوئی نہیں تھی۔ کیونکہ جو شرائط وہ پیش کر چکے تھے ہم مان گئے۔ لیکن آخری وقت انہوں نے ایک چالاکی یہ کر لی کہ ہم چونکہ ہیں ہی سچے اس لئے ہم اپنے اوپر لعنت نہیں ڈالیں گے بلکہ صرف احمدیوں پر لعنت ڈالیں گے یعنی کوسنے کوسیں گے لیکن قرآن کی زبان میں جھوٹوں پہ اللہ کی لعنت ہو، نہیں کہیں گے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اگر یہ سچے ہیں تو "جھوٹوں" کی لعنت سے کیوں ڈرتے ہیں؟

حضور نے فرمایا دوسری بات یہ ہے کہ مباہلے سے یہ ایک عجیب تمسخر ہے بلکہ ظلم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ہتک اور خدا کی شدید گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اپنے مقابل جھوٹوں کے پاس جاؤ اور ان کو کہو کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو تو کیا (اللہ تعالیٰ اس سے اپنی پناہ میں رکھے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صداقت کا یقین نہیں تھا۔ ایسے جاہل ہیں یہ لوگ کہ اپنی نجات کے لئے اگر ان کو خدا اور رسول پہ ہی حملے کرنے پڑیں تو اپنی فرار کی راہیں یہ ضرور نکالیں گے۔ اس لئے میں یقین رکھتا ہوں کہ جتنی لعنتیں یہ ہم پر ڈالیں گے یہ ساری لعنتیں الٹ کر ان پر پڑیں گی اور جتنی لعنتیں یہ ہم پر ڈالیں گے وہ ساری رحمتوں کے پھول بن کر جماعت پر برسیں گی میری تو یہ دعا اور خواہش رہی ہے کہ کثرت سے لوگ ان کے ساتھ مل کر لعنتیں ڈالیں لیکن میں نے نہ خود یہ دعا کی ہے اور نہ جماعت کو ایسی دُعا کے لئے کہا ہے کہ وہ تمام غیر از جماعت لوگوں پر لعنت ڈالیں۔ آپ نے مقابل پہ ہرگز یہ دعا نہیں کرنی بلکہ یہ دعا کرنی ہے کہ ان لعنت ڈالنے والوں پر ان کی لعنتیں پڑیں۔

حضور نے فرمایا مباہلے کا ایک پہلو یہ ہے کہ معاندین کے سرکردہ لیڈر وہ دشمن ہیں جو دراصل ہدایت کی راہ روکے کھڑے ہیں۔ احمدیت جس قسم کی حقیقت ہے، سچائی اور پیغام ہے اگر بعینہ اسے اسی طرح بغیر توڑے مروڑے عوام کے سامنے آپ رکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ کتنا عظیم الشان نتیجہ اور اثر ظاہر ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ مباہلہ کا یہ اشتہار پڑھ کر احمدی ہو گئے ہیں۔ بہت سے دوسرے بھی ہیں جن کو یقین نہیں آتا۔

لیکن اس کی گمراہی کی وجہ دراصل یہی جھوٹا پراپیگنڈہ ہے۔ تو یہ وہ دروازے ہیں جو احمدیت کی طرف آنے والی ہر راہ پر قائم کر دیئے گئے ہیں۔ مباہلے کے نتیجہ میں یہ دروازے ٹوٹا کرتے ہیں، عبرت کا مضمون دنیا کو کھل کر سمجھ آتا ہے۔ پس مباہلہ کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ان دروازوں کو توڑ دے۔ تو دین کی ترقی اور سچائی کی ترقی کی راہیں کشادہ کر دے تاکہ سب لوگ جوق در جوق ان راہوں سے صداقت میں داخل ہو سکیں۔ پس یہ وہ دُعا ہے جو آپ کو کرنی چاہیئے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ جس طرح پہلے چھ ماہ میں خدا تعالیٰ نے عظیم الشان تاریخی نوعیت کے نشان دکھائے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے چاہا تو یہ باقی چھ ماہ بھی بلکہ اس کے بعد اگلا سال اور اگلی ساری پوری کی پوری صدی اس مباہلے کی برکتوں کا پھل کھاتی رہے گی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مباہلہ ایک سال کا یا دو سال کا یا تین سال کا مباہلہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ ایسے موقع پر بنایا ہے کہ اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں اور اس کے پھل، اگلی صدی میں آنے والی مخلوق کو عطا ہوتے چلے جائیں گے جو خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ صداقت کو قبول کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری دُعا کو قبول فرمائے اور ان کی ہر لعنت ہم پر خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے پھول بن کر آج بھی برسے، کل بھی برسے اور آئندہ ہمیشہ برستی رہے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

دعائے مغفرت

★ محترمہ بیگم صاحبہ ڈاکٹر میر احمد صاحب سلطانپورہ لاہور پندرہ دن میو ہسپتال میں بے ہوش رہنے کے بعد ۱۲ دسمبر کو انتقال کر گئیں۔ قبرستان ماڈل ٹاؤن لاہور میں تدفین ہوئی۔ مرحومہ نے اپنی بیماری کا طویل عرصہ نہایت درجہ صبر سے گزارا۔ مرحومہ بے حد شفیق اور مہربان تھیں۔ مہمانوں کا بہت خیال رکھتیں۔ درس و تدریس سے بہت عرصہ منسلک رہیں۔ اپنی اولاد کی تربیت اعلیٰ انداز میں کی۔ صدقہ اور خیرات کرنے والی تھیں۔ انتہائی دعا گو اور سلسلہ کی عاشقہ تھیں مرحومہ نے پسماندگان میں شوہر کے علاوہ تین بیٹیاں اور چار بیٹے چھوڑے ہیں۔ دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور ان کا حامی و ناصر ہو۔

(سلطان احمد مبشر ربوہ)